THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4, No.1, 2026
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

عورت مارچ اور صنفی مساوات کا بیانیہ: اسلامی اور عصری تناظرات میں ایک تحقیقی جائزہ

Women's March and Gender Equality Discourse: An Analytical Study in Islamic and Contemporary Contexts

1. Hafiza Aticka Aslam
PhD Scholar, Lahore College for Women University, Lahore, Pakistan.
2. Dr. Sidra Rasool
Lecturer, Lahore College for Women University, Lahore, Pakistan.

Abstract

This research examines the narrative of Aurat March and gender equality from Islamic and contemporary perspectives. In recent years, Aurat March has emerged as a significant- social movement in Pakistan, advocating for women's rights, social justice, and gender equality. The movement has generated diverse responses in society; some view it as a struggle for women's empowerment and equal rights, while others consider certain slogans and demands contrary to Islamic teachings and cultural values. This study critically analyzes the concept of gender equality, the ideology of Aurat March, and its major slogans in the light of Islamic teachings and contemporary thought. The research adopts an analytical and comparative approach to explore similarities and differences between Islamic principles and modern gender discourse. The findings suggest that Islam grants women dignity, protection, and fundamental rights while emphasizing balance in rights and responsibilities. The study concludes that demands related to justie, protection, and basic rights are largely consistent with Islamic teachings, whereas concepts conflicting with Islamic moral and social boundaries require critical evaluation

Keywords: *Aurat March, Gender Equality, Women Rights, Islamic Perspective, Contemporary Perspective, Social Justice*

تعارف:

عصرِ حاضر میں صنفی مساوات (Gender Equality) ایک اہم سماجی، فکری اور قانونی بحث کے طور پر ابھر کر سامنے آئی ہے، جس نے عالمی سطح پر انسانی حقوق، خواتین کی آزادی، معاشرتی انصاف اور مساوی مواقع کے موضوعات کو نمایاں کیا ہے۔ جدید دنیا میں خواتین کے حقوق کے حوالے سے مختلف تحریکیں سامنے آئی ہیں، جن کا بنیادی مقصد خواتین کو تعلیم، روزگار، صحت، سیاسی نمائندگی اور سماجی تحفظ کے میدان میں مساوی حقوق فراہم کرنا ہے۔ انہی تحریکوں میں ایک نمایاں نام عورت مارچ کا ہے، جو پاکستان میں گزشتہ چند برسوں سے خواتین کے حقوق کے لیے ایک منظم سماجی تحریک کے طور پر سامنے آیا ہے۔

عورت مارچ ہر سال مختلف شہروں میں عالمی یومِ خواتین کے موقع پر منعقد کیا جاتا ہے، جہاں خواتین اپنے بنیادی حقوق، مساوی مواقع، تحفظ، عزت اور آزادی کے مطالبات پیش کرتی ہیں۔ اس مارچ میں اٹھائے جانے والے نعروں، مطالبات اور بیانیے نے پاکستانی معاشرے میں وسیع سطح پر بحث کو جنم دیا ہے۔ ایک طبقہ عورت مارچ کو خواتین کے حقوق، انصاف اور سماجی شعور کی ایک مثبت کوشش سمجھتا ہے، جو معاشرتی ناانصافیوں اور صنفی امتیاز کے خلاف آواز بلند کرتی ہے۔ دوسری جانب ایک بڑا طبقہ اس تحریک کے بعض نعروں اور نظریات کو اسلامی تعلیمات، مشرقی اقدار اور خاندانی نظام کے منافی تصور کرتا ہے۔

یہ اختلافِ رائے دراصل اس بنیادی سوال کو جنم دیتا ہے کہ صنفی مساوات سے حقیقی مراد کیا ہے؟ آیا اس کا مطلب مرد و عورت کے درمیان مکمل یکسانیت ہے یا پھر حقوق، ذمہ داریوں اور مواقع میں عدل و توازن قائم کرنا؟ اسلامی نقطۂ نظر سے مرد اور عورت دونوں کو انسانی عظمت، عزت اور

بنیادی حقوق میں مساوی حیثیت حاصل ہے، تاہم اسلام فطری اختلافات کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے کردار، ذمہ داریوں اور معاشرتی وظائف میں توازن اور تکامل کا تصور پیش کرتا ہے۔ اس کے برعکس جدید مغربی نظریات صنفی مساوات کو اکثر مکمل برابری اور یکسانیت کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔

زیرِ نظر تحقیقی مطالعہ عورت مارچ اور صنفی مساوات کے بیانیے کا اسلامی اور عصری تناظرات میں تنقیدی و تجزیاتی جائزہ پیش کرتا ہے۔ اس تحقیق کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ عورت مارچ کے بنیادی تصورات، مطالبات اور نظریات کس حد تک اسلامی تعلیمات، معاشرتی اقدار اور جدید فکری رجحانات سے مطابقت رکھتے ہیں۔ مزید بر آں، یہ مطالعہ اس امر کا بھی جائزہ لے گا کہ موجودہ دور میں خواتین کے حقوق کے تحفظ اور صنفی انصاف کے قیام کے لیے ایک متوازن، معتدل اور قابلِ عمل نقطۂ نظر کس طرح اختیار کیا جا سکتا ہے۔

عورت کا معنی و مفہوم:

مختلف لغات میں عورت کے مختلف معنی مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔

علامہ ابن منظور کے مطابق عورت کے معنی "خلل یا نقصان" کے ہیں اور یہ لفظ واحد اور جمع دونوں کے لیے ہوتا ہے۔[1]

امام راغب اصفہانی کے مطابق العورۃ انسان کے "مقام ستر" کو کہتے ہیں مگر اس کے یہ معنی کنائی ہیں اصل میں یہ عار سے مشتق ہے اور مقام ستر کھلنے سے بھی چونکہ عار محسوس ہوتی ہیں اس لیے اسے عورۃ کہا جاتا ہے کہ اس کے لیے ستر رہنے کو بھی باعث سمجھا جاتا ہے۔[2]

لوئس معلوف عورت کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

العورۃ سے مراد وہ امر ہے "جس سے شرم کی جائے" اور "انسان کے وہ عضو بھی اس میں شامل ہیں جن کو شرم کی وجہ سے چھپایا جاتا ہے"۔[3]

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں لکھا ہے:

عورت عربی زبان کا لفظ ہے جو کہ عار سے نکلا ہے۔ اصطلاح میں عورت مرد کے مقابل ہے۔ مرد مقدم اور عورت موخر ہے۔ مگر عورت کا تمدنی دور مرد کے ساتھ مساوات کا ہے۔ مرد کی طرح عورت کو بھی دل و دماغ ودیعت کیا گیا ہے۔ فکر و شعور اور ترقی و عروج کے مواقع اسے بھی میسر ہیں۔ عورت اور مرد نوع انسانی کے دو جز ہیں اور ہر جز دوسرے جز کے بغیر ناکارہ ہے یوں سمجھیے کہ انسانی معاشرہ ایک گاڑی ہے اور مرد و عورت اس کے دو پہیے ہیں ان میں سے کوئی ایک پہیہ نکال دیا جائے تو انسانی معاشرہ یہیں ختم ہو جائے گا۔[4]

اردو جامع انسائیکلوپیڈیا میں عورت کا مفہوم بیان کیا گیا ہے:

لغوی اعتبار سے اس کے وہ معنی ہیں "جس کے ننگا ہونے سے شرم آئے"۔ عورت مرد کے لئے راحت، ذہنی سکون، طہارت، عمل خیر اور قرب خداوندی کا ذریعہ ہے۔ عورت ہی وہ ہستی ہے جسے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی ماں بن کر ان کی جسمانی اور غذائی پرورش کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔[5]

ان تمام تعریفات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورت جو عربی زبان کا لفظ ہے عار سے نکلا ہے۔ اس کے معنی خلل اور نقص کے بھی ہیں اور انسان کے وہ عضو بھی ہیں جن کو چھپایا جاتا ہے۔ عورت اور مرد گاڑی کے دو پہیوں کی طرح ہیں اور اگر ان میں سے کوئی ایک نکال دیا جائے تو گاڑی صحیح کام نہیں کر سکتی۔ عورت مرد کے لئے لباس ہے اور مرد عورت کے لیے لباس کی حیثیت رکھتا ہے۔

مارچ:

مارچ انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی سنہ عیسوی کے تیسرے مہینے کے ہیں۔ جو ۳۱ دن کا ہوتا ہے نیز یہ لفظ کوچ، روانگی، باقاعدہ قدم اٹھانا، معین رفتار سے چلنا، مارچ پاسٹ فوج کی سلامی، وغیرہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔[6]

عورت مارچ:

اس تحریک کو خاص طور پر عورت مارچ کا نام اس لیے دیا گیا کیونکہ ایک تو یہ خاص عورت کے حقوق سے متعلق ہے اور دوسرا مارچ نام اس لیے دیا گیا کہ مارچ کا ایک مطلب قدم اٹھانا ہے اس لیے اس تحریک کا نام عورت مارچ رکھا گیا ہے۔[7]

صنفی مساوات:

صنفی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں کو تعلیم، ملازمت، صحت، فیصلہ سازی اور سماجی ترقی کے یکساں مواقع حاصل ہوں، اور کسی کے ساتھ صرف جنس کی بنیاد پر ناانصافی نہ کی جائے۔ اس کو انگریزی میں gnder equality بھی کہا جاتا ہے جس کی تعریف یوں آتی ہے:

> "Gender equality calls for a long-term cultural transition, which can be achieved through education and increased awareness[8]".

اسی طرح janet Henshall Momsen نے اپنی کتاب میں اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

> Gender equality refers to equal rights, responsibilities, and opportunities for women and men[9]

مغرب کا نظریہ مساوات مرد وزن:

زمانہ جدید کے تمدنی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ عورت اور مرد کی مساوات کا مسئلہ ہے۔ فی زمانہ یہ نعرہ گونج رہا ہے کہ عورت کو ہر حیثیت سے مرد کے برابر ہونا چاہیے۔ قانونی لحاظ سے بھی اسے ہر وہ کام کرنے کی آزادی ہونی چاہیے جو مرد سرانجام دیتا ہے۔ اسے بھی وہ حق ملنے چاہئیں جو معاشرے میں مرد کو حاصل ہیں۔ غرضیکہ مرد اور عورت دونوں معاشرے میں مساوی حیثیت سے دوست بن کر رہیں۔ اب مرد کی حاکمیت اور عورت کی محکومیت کا دور ختم ہونا چاہیے۔ اس نظریہ کا آغاز چونکہ مغرب سے ہوا۔ زمانہ قدیم میں یونان کے نامور دانشور ارسطو نے عورت کو ہر اعتبار سے مرد سے کمتر قرار دیا تھا کیونکہ اس میں فہم واستدلال کی قوت نہیں ہے، بیشتر قدیم مفکرین نے اسے جذباتی، کمزور، عقل و فہم سے محروم ہونے کی بنا پر گھٹیا اور پست قرار دیا۔ قرون وسطی میں عورت ہی کو یورپ کی کمزوری و ذلت کا باعث قرار دیا جاتا رہا۔ سولہویں، سترھویں اور اٹھارویں صدی عیسوی میں بھی عورت کو کوئی باوقار مقام حاصل نہ تھا۔ ان کے چوٹی کے فلسفی حتی کہ نطشے تک یہ مشورہ دیتے ہیں کہ "عورت کے پاس جاؤ تو اپنا کوڑا ساتھ لے جانا نہ بھولو" انیسویں صدی میں جب انگلستان کا سورج کبھی غروب نہ ہوتا تھا، عورت اس دور میں بھی انتہائی مظلوم تھی۔

مگر جب اٹھارویں صدی میں یورپ میں موجودہ جمہوری اور صنعتی دور شروع ہوا، جدید یورپ کے معماروں نے پرانے نظام تہذیب و تمدن کے خلاف آواز بلند کی، جس کی بنیاد جاگیرداری اور پاپائیت تھی تو اس کے نتیجے میں 1789ء میں انقلاب فرانس رونما ہوا، حریت فکر و عمل کا دور دورہ شروع ہوا، علوم وفنون نے ترقی کی، صنعتیں اور کارخانے قائم ہوئے۔ لوگ دیہاتوں سے اٹھ کر کاروبار کی خاطر شہروں کی طرف منتقل ہونے

لگے، دیہاتوں کے آبادی کم ہونے لگی، جبکہ شہروں پر آبادی کا بوجھ بڑھنے لگا۔ بڑے بڑے شہر آباد ہوئے، خوشحالی کا دور دورہ شروع ہوا، معیار زندگی بلند ہونے لگا۔

مگر اس صنعتی انقلاب کے نتیجے میں بہت سے مسائل بھی پیدا ہوئے مثلا معیار زندگی بلند ہونے سے اشیاء کی قیمتیں بڑھیں۔ کم آمدنی والے لوگوں کا گزارہ مشکل ہو گیا۔ اس عالم میں عورت آگے بڑھی اور کسب معاش میں مرد کا ہاتھ بٹانے لگی۔ پھر جب عورت کسب معاش میں آگے بڑھی تو اس نے محسوس کیا کہ اسے پہلی مرتبہ چند ایسے حقوق مل رہے ہیں جن سے وہ سدا سے محروم چلی آتی تھی۔ اب اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جا رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عورت کی تمام خفیہ صلاحیتیں جو غلط تصورات کے تحت دب چکی تھیں، اب ابھرنے لگیں۔ معاشی میدان میں مصروف رہنے کے بعد عورت نے محسوس کیا کہ اس کے لیے سارا دن دفتر اور کارخانے میں کام کرنا، پھر اس کے بعد گھر آکر گھریلو امور بھی انجام دینا اور بچوں کے پرورش کرنا دوہری مشقت ہے تو اس نے بعض ذمہ داریوں سے فرار اختیار کرنا شروع کیا جو فطرت نے اس پر عائد کی ہیں۔

عورت نے کسب معاش کی راہ پر چلنے سے دو قسم کے نتائج محسوس کیے:

* اب وہ مردوں کی بالادستی سے کچھ حد تک آزاد ہو رہی تھی
* مرد اور عورت کی اجرتوں اور معاوضوں میں بڑا فرق تھا۔ وہی مرد جب کام کریں تو انہیں تنخواہ زیادہ اور اگر عورت کریں تو انہیں تنخواہ کم مل رہی تھی۔ قانون مرد کے ہاتھ میں تھا۔ وہ عورت کو مساوی اجرت دینے پر رضا مند نا تھا۔ مجبور ہو کر عورت نے پارلیمنٹ میں اپنے لیے نمائندگی کا حق مانگا اور مساوات مرد وزن کا نظریہ پیش کیا۔

مساوات کے لیے پہلی آواز:

مساوات کے لیے پہلی آواز میری وولسٹن کرافٹ نے اپنی کتاب حقوق نسواں کے ذریعے سے بلند کی۔ اس نے 1792ء میں اس کتاب میں یہ مطالبہ پیش کیا:

تعلیم، روزگار اور سیاست کے میدانوں میں عورتوں کی وہی حیثیت تسلیم کی جائے جو مردوں کو حاصل ہے۔ مزید دونوں صنفوں کے لیے اخلاق معیار بھی یکساں ہونا چاہیے۔ یہ آواز پہلے برطانیہ میں اٹھی پھر یورپ اور امریکہ میں پھیل گئی۔[10]

اسلام میں عورت کا مقام و مرتبہ:

قدیم جاہلیت نے عورت کو جس پستی کے گھڑے میں پھینک دیا اور جدید جاہلیت نے اسے آزادی کا لالچ دیکر جس ذلت سے دوچار کیا وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ ایک طرف قدیم جاہلیت نے اسے زندگی کے حق سے محروم کیا تو جدید جاہلیت نے اسے زندگی کے ہر میدان میں دوش بدوش چلنے کی ترغیب دی۔ اسے گھر کی چار دیواری سے نکال کر شمع محفل بنا دیا۔ عورت اپنی عزت و وقار بیٹھی۔ آزادی کے نام پر غلامی کا شکار ہو گئی۔ آج مغربی اقوام عورت کی اس غلامی بنام آزادی سے تنگ آچکی ہیں کیونکہ مغربی تمدن میں اس سے بے جا آزادی کے نتائج، زناکاری اور بے حیائی کی شکل میں ظاہر ہو رہے ہیں افسوس اس بات کا ہے کہ مسلمان عورت بھی آج اس آزادی کی کوشش میں سرگراں نظر آتی ہے جبکہ اسلام قرآن کے ذریعے اس کا مقام، حیثیت اور حقوق و فرائض متعین کرتا ہے۔[11]

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

اسلام کے اثرات:

جب اسلام کا آفتاب عالم طلوع ہوا تو اس کی نورانی کرنوں نے دنیا کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی سے ہمکنار کیا۔ افراط و تفریط ختم ہوئی۔ اعتدال کے فطری نقطہ پر اسلام نے انسانوں کو لا کھڑا کیا اور اس تخلیقی امتیاز کو مٹا کر ظلم و ستم کی چکی میں پسنے والی صنف نازک کو اپنے دامن رحمت میں لے لیا اور ناموس نسواں کی قدر و منزلت کا شور بیدار کیا اور اسے اس مقام پر لا کھڑا کیا جو اس کا حق تھا۔ اگر مردوں کی صف سے صدیق، فاروق اور حیدر رضی اللہ عنہم جیسے مجموعہ حسنات کو اس نے ہدایت کے لیے دنیا کے سامنے پیش کیا تو عورتوں کی جماعت سے اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جیسی خواتین کو زہد و تقوی، نیکی اور پارسائی اور علم و عمل کے قابل تقلید نمونے بنا کر اقوام عالم کے روبرو عبرت و نصیحت کے غرض سے پیش کر دیا۔

اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے ظلم و ستم کی چکیوں میں پسنے والی صنف نازک کو پوری قوت سے اپنے دامن حمایت میں لے کر اسے مردوں کے برابر حقوق عطا کیے۔ بحیثیت انسان عورت کو بلند مقام عطا فرمایا۔ اسلام نے زندگی کی تعمیر و ترقی کا جو نقشہ پیش کیا اس کا تعلق عبادت سے ہو یا معاملات سے، خاندانی نظام سے ہو یا معاشرتی آداب سے اقتصادی قوانین سے ہو خواہ اصول تہذیب سے اس نے کسی بھی گوشہ میں عورت کے مقام و مذہب، وجود اور حیثیت مرتبت سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ یہ حقیقت اجاگر کر دی کہ عورت مظہر سکینت ہے۔ عورت کی ایک مستقل و مستحکم حیثیت اللہ رب العزت کی بدولت قائم ہوئی اور قرآن و حدیث نے ماں، بہن اور بیٹی کی صورت میں اس مظہر سکینت کے حقوق متعین کر دیے، عورت کا اس سے بڑھ کر اور اعزاز کیا ہو سکتا ہے۔[12]

اسلام نے عورت کے بنیادی حقوق کے ساتھ ساتھ اس کو روحانی مقام عطا کیا اور نیک اعمال کرنے والوں کو تو خواہ مرد ہو یا عورت جنت کی نوید سنائی۔ اس طرح معاشرتی حیثیت کے لحاظ سے اسلام نے عورت کو ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کا بلند درجہ عطا فرمایا اور عورت کی معاشی، قانونی، تعلیمی اور سیاسی حیثیت کو مستحکم کیا۔ اسلام نے عورت کو سب سے پہلا احسان یہ عطا کیا کہ عورت کی شخصیت کے بارے میں مرد و عورت دونوں کی ذہنیتوں کو بدلا، انسان کے ذہن و قلب میں عورت کا وقار، مقام اور مرتبہ کا تعین کیا، اس کے شخصی، سماجی، مدنی اور معاشی حقوق کا تحلیل اجاگر کیا۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالی ہے:

"يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا"[13]

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہاری پیدائش (کی ابتداء) ایک جان سے کی پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا فرمایا پھر ان دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا، اور ڈرو اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابتوں (میں بھی تقوی اختیار کرو)، بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے"

اس لیے انسان ہونے میں مرد و عورت سب برابر ہیں۔ یہاں مرد کے لیے اس کی مردانگی باعث شرف ہے نہ عورت کے لیے اس کی نسوانیت باعث عار ہے۔ یہاں انسان جو مرد و عورت دونوں پر مشتمل ہے، وہ من حیث الانسان اپنی خلقت اور صفات کے لحاظ سے فطرت کا ایک عظیم شاہکار ہے جو اپنی خوبیوں اور معنوی خصوصیات کی بنا پر ساری کائنات کی محترم اور بزرگ ترین ہستی ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

"وَ لَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ وَ حَمَلۡنٰہُمۡ فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ وَ رَزَقۡنٰہُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلۡنٰہُمۡ عَلٰی کَثِیۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِیۡلًا"[14]

"اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری (یعنی شہروں اور صحراؤں اور سمندروں اور دریاؤں) میں (مختلف سواریوں پر) سوار کیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور ہم نے انہیں اکثر مخلوقات پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے"

چنانچہ بنی آدم کو جملہ مخلوقات پر جو فضیلت بخشی اور بحیثیت انسان اسے جو سرفرازی عطا کی گئی، عورت اس میں برابر کی شامل ہے۔

دونوں میں ممتاز کون؟

پھر اسلام میں ان دونوں صنفوں میں سے ممتاز اور بزرگ وہ ہے جس کے پاس نیک اعمال اور تقوی ہے، جس میں شرافت کا معیار مکمل طور پر موجود ہے۔ یہاں دیگر مذاہب کی طرح بزرگی اور کمتری کا معیار جنس نہیں۔ جہاں مرد ہمیشہ عرش بریں کا مستحق سمجھا جائے، چاہے وہ اپنی عملی زندگی میں پاپ اور عظیم گناہوں کا مجموعہ ہی کیوں نہ رہا ہو۔ بلکہ یہاں بڑائی اور بزرگی کا معیار، اصلاح، ایمان، درستی اعمال، سلامتی فکر، خداترسی، خوش اخلاقی، خلوص اور حسن سیرت ہے۔ جو آدمی جتنا زیادہ خداترس، متقی اور پرہیزگار ہے، بااخلاق اور حسن سیرت کا مالک ہے، اللہ کے ہاں اتنا ہی برگزیدہ ہے، چاہے یہ مرد ہو یا عورت۔ چنانچہ اسلام کے اس اساسی دستور کو یوں واضح فرمایا گیا ہے:

"ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ان اللہ علیم خبیر"[15]

"بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔"

"انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی بعضکم من بعض"[16]

"کہ میں (اللہ) تم میں سے کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا۔ عمل کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے سے ہو"

قرآن کریم میں جن صفات کو مردوں کے لیے بنظر استحسان دیکھا گیا ہے، وہی صفات عورتوں کے لیے بھی پسند فرمائی گئی ہیں اور دنیوی واخروی فوز وفلاح کا جو معیار مردوں میں رکھا گیا ہے، بعینہ وہی عورت کے لیے بھی رکھا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ہی اسلام کے نزدیک معاشرہ کے ناقابل تقسیم اجزا اور تمدن کی گاڑی کے ناگزیر پہیے ہیں۔ زندگی کے بار گراں کو دونوں شانہ بشانہ سنبھال کر ہی ارتقائے تمدن کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں، اس لیے قرآن کریم مرد جو عورت دونوں کو "یاایہا الناس" یا یاایہاالذین امنو" کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ دونوں کو نماز، روزہ، حج، زکوۃ، حسن اخلاق، ادائیگی حقوق کا یکساں ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ دونوں مساوی حیثیت سے اللہ کے ہاں ذمہ دار اور اپنے اپنے اعمال کے بارے میں اللہ کے سامنے جوابدہ ہیں۔ مرد سے عورت کی یا عورت سے مرد کی باز پرس نہیں ہو سکتی۔

مرد اپنے بیوی بچوں کا رکھوالا ہے، اس لیے اس سے اس کی پوچھ ہو گی اور عورتیں شوہر کے گھر کے ملکہ اور اس کے بچوں کی نگہبان ہیں اس لیے ان سے اس کی پوچھ ہو گی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت نہ تو مرد کا ضمیمہ ہے نہ ہی مرد سے کمتر ہے۔ مرد اپنی قبر سے اٹھے گا اور اپنا جوابدہ خود ہو گا اور عورت اپنی قبر سے اٹھے گی اور اپنے مال کے بارے میں جوابدہ خود ہی ہو گی، مگر ساتھ ہی ضمنا مندرجہ بالا حدیث ایک اور وضاحت بھی کر رہی ہے کہ مرد کے فرائض اور اس کا دائرہ کار الگ ہے اور عورت کا الگ۔ مرد بیرون خانہ تمام امور انجام دے اور عورت گھر کے اندر کی ذمہ دار ہے۔

شوہر کے گھر اور بچوں کی رکھوالی ہے۔ چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے کیا تو وضاحت فرمادی کہ علی بیرون خانہ تمام ذمہ داریاں انجام دیں گے اور تم گھر کے اندر سارے کام انجام دینا۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مرد و عورت دونوں کو بالترتیب مرد اور عورت رکھ کر ہی ان کی عزت، ترقی کامیابی اور ارتقاء کے یکساں مواقع بہم پہنچائے ہیں، جس طرح مرد ترقی کے میدان میں اپنے قدم بڑھا سکتا ہے اور اس سلسلے میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہے، بعینہ عورت بھی اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنے دائرہ کار کے اندر میدان میں ترقی میں کر سکتی ہے۔

پاکستان میں نظریہ مساوات مرد وزن:

مساوات مرد وزن کا نعرہ اگرچہ خالصتا اہل مغرب کا تحفہ تھا مگر ایشیاء اور اسلامی ممالک بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، پاکستان میں اس مسئلہ نے وطن عزیز کے قیام کے ساتھ ہی شدت سے سر اٹھایا۔ اپوا (آل انڈیا وویمن ایسوسی ایشن) کی بیگمات نے یہاں بھی مخلوط معاشرہ قائم کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، بیگم رعنا لیاقت علی خاں اس کی روح رواں تھی، اس نے 28 جنوری 1949ء کو جہلم میں جموں و کشمیر کے پناہ گزینوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

> "اب وہ وقت نہیں رہا کہ مسلمان عورتیں گھروں کی چار دیواری میں بند بیٹھی رہیں۔ اب انہیں خواب غفلت سے بیدار ہونا ہو گا اور گھروں سے نکل کر مردوں کے شانہ بشانہ قوم کی فلاح و بہبود کے کاموں میں حصہ لینا ہو گا اور مردوں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی عورتوں کی راہ میں حائل نہ ہوں، وہ انہیں اس بات کا موقع دیں کہ وہ ان فنون کو سیکھ لیں جن کی اہلیت ان کے اندر پائی جاتی ہو"۔

مس فاطمہ جناح، بیگم خواجہ ناظم الدین، سلمی تصدیق، بیگم جی، اے خان اور سرکاری حکام کی بیگمات اس تنظیم میں شامل تھیں، حکومت پاکستان نے اس انجمن کو باضابطہ طور پو تسلیم کر کے اعلان کر دیا کہ جن معاملات کا تعلق عورتوں سے ہو گا ان معاملات میں حکومت ان عورتوں سے مشورہ لیے بغیر کوئی قدم نہ اٹھائے گی۔ چنانچہ اپوا کے لیے حکومت کی سرپرستی آج تک برقرار ہے۔ اس کی کانفرنسیں عموما گورنمنٹ ہاؤس میں منعقد ہوا کرتی ہیں۔

اس بظاہر آزادی نسواں مگر بباطن آوارگی نسواں تحریک نے بے شمار اسلامی شعائر کا تمسخر اڑایا۔ مثلا حجاب اترا، دوپٹہ اترا، بے پردگی، فحاشی، عریانی، ماڈلنگ اور شوبز کلچر وجود میں آیا۔ مزامیر کو توڑنے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ناچ گانا، رقص، موسیقی عمومی مزاج بن گیا، ذرائع ابلاغ ٹی۔ وی، فحش تصاویر نے اس گندگی کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔[17]

خواتین کا عالمی دن (عورت مارچ):

1908 نیویارک امریکہ کچھ خواتین کے اندر ایک بے چینی تھی کہ انکو وہ حقوق نہیں مل رہے جو انکا حق ہے یعنی ووٹ کا حق بہتر تنخواہ اور وہ بھی کم وقت میں اور اسی مسائل کو لے کر سڑکوں پر نکل آئیں جنکی تعداد اس وقت پندرہ ہزار کے قریب تھی تاریخ کے حساب سے عورتوں کی جانب سے یہ پہلی آواز تھی آہستہ آہستہ یہ تحریک پورے امریکہ میں پھیل گئی پھر 25 مارچ 1911 کو امریکہ کے ایک کارخانے میں ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس نے اس تحریک کو نیا رنگ دے دیا یہ حادثہ تھا کیا؟ 25 مارچ کی شام کو اس کارخانے میں لگنے والی اس آگ میں 150 کے قریب محنت کش عورتیں ہلاک ہو گئیں جو اکثر اٹلی کی تارکین وطن اور یہودی خواتین تھیں اس حادثے نے عورتوں کے کام کے حوالے سے اک نہیں بحث

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4, No.1, 2026
ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

چھیڑ دی اور امریکہ میں اپنے لیبر قوانین کو بہتر بنانے کی مانگ بڑھنے لگی اس سال عورتوں نے روٹی اور گلاب کے نام سے تحریک چلائی سات دہائیوں کے بعد 1975 کو اقوام متحدہ نے اس تحریک کو عالمی دن کا درجہ دے دیا1977 کو یونائیٹڈ نیشن جنرل اسمبلی نے عورتوں کے حقوق اور عالمی امن کا ریزولیشن بھی پاس کیا اور ہر ملک کو یہ اختیار دے دیا کہ وہ یہ دن اپنے ملک کے دن اور وقت کے حساب کسی بھی دن منا سکتے ہیں 1996 میں یونائیٹڈ نیشن نے پہلی بار عورتوں کے عالمی دن کو ایک ٹاسک دیا کے اس کو مزید بہتر بنایا جائے اور مستقبل کی بھی پلاننگ کی جائے اور اس میں ایک اور عورتوں پر تشدد کا نیا موضوع شامل ہو گیا اکیسویں صدی میں یہ تحریک پوری دنیا میں پھیل گئی اور اس میں روز بروز نئے مسائل کو شامل کیا گیا۔[18]

پاکستان میں عورت مارچ کا آغاز 2018 میں ہوا، جس کے بعد یہ لاہور، کراچی، اسلام آباد اور دیگر شہروں میں باقاعدگی سے منعقد ہونے لگا۔ اس مارچ میں مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والی خواتین، سماجی کارکنان، طلبہ اور انسانی حقوق کے کارکن شریک ہوتے ہیں۔ عورت مارچ نے مختصر مدت میں پاکستانی معاشرے میں خواتین کے حقوق سے متعلق ایک وسیع بحث کو جنم دیا ہے۔ کیونکہ اس میں این جی اوز، سول سوسائٹی اور سیکولر لابی کے اشتراک سے بیہودہ نعرے دیکھنے، سننے میں آتے ہیں۔ مگر ۲۰۱۹ سے گزشتہ سال تک تو عالمی یوم خواتین کی حد ہو گئی۔ جن میں سے کچھ کام درج ذیل ہیں:

* میرا جسم میری مرضی
* شادی نہیں آزادی
* میں طلاق یافتہ مگر خوش ہوں
* میرا جسم میدان جنگ نہیں
* لو بیٹھ گئی صحیح سے
* میری پیشاب کرنے کی جگہ آپکی عزت کیسے ہو گئی
* عورت بچہ پیدا کرنے کی مشین نہیں ہے
* میں تمھاری عزت نہیں ہوں
* میں آوارہ میں بد چلن
* اپنا کھانا خود گرم کرو

عورت مارچ کے بعض نعرے شادی اور ازدواجی تعلقات کے حوالے سے خاصی توجہ کا مرکز بنے۔ جیسے کہ شادی نہیں آزادی، شادی کے علاوہ اور بھی بہت کام ہیں وغیرہ جبکہ شادی مرد و عورت کی بنیادی ضرورت ہے۔ انسان کی جس طرح فطری ضروریات ہیں اسی طرح نکاح بھی ایک فطری ضرورت ہے۔ اس لئے اسلام نے انسان کو اپنی اس فطری ضرورت کو جائز اور مہذب طریقے سے پورا کرنے کی اجازت دیتا ہے۔[19]

جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

"هو الذی خلقکم من نفس واحدة وجعل منها زوجها لیسکن الیها"[20]

"وہی اللہ ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنا دیا تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے"

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

اس آیت سے عورت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ عورت مرد کے حق میں ایک انمول تحفہ ہے اور مرد کے لیے باعث سکون واطمینان ہے۔ ہر انسان اپنے فطری جذبات اور انسانی خواہشات کو پورا کرنے پر مجبور ہے۔ اگر انسان نکاح سے فرار اختیار کرتا ہے اور جائز ومہذب طریقے سے اپنی فطری خواہش پورا نہیں کرتا ہے تو ہر طرح کی برائی اور بے حیائی کا شکار ہو جاتا ہے۔ جب انسان کی فطری خواہشات جائز طریقے سے پوری نہ ہو تو انسان برائی اور بے حیائی کا شکار ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

"ولا تقربو الزنی انه کان فاحشه"[21]

"بدکاری کے قریب بھی نا جاؤ، وہ بہت برا کام ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے"

اسی طرح ایک نعرہ طلاق یافتہ لیکن خوش جیسے نعروں نے معاشرے میں طلاق، عورت کے مقام اور اس کے بعد کی زندگی کے حوالے سے اہم سوالات کو جنم دیا۔ جبکہ اسلام نے وقت ضرورت طلاق کی اجازت ضرور دی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی بتادیا کہ یہ کوئی پسندیدہ فعل نہیں ہے بلکہ اللہ سبحانہ وتعالی کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ اقدام ہے۔ اس لیے انتہائی مجبوری میں یہ قدم اٹھانا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"البغض الحلال الی الله عزوجل الطلاق"[22]

"اللہ عزوجل کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو طلاق دینا ناپسندیدہ عمل ہے لیکن پھر بھی اسلام میں طلاق ہے تاکہ کوئی مرد یا عورت کسی وجہ سے ایک دوسرے کو ناپسند ہوں اور علیحدگی اختیار کرنا چاہیں تو وہ کرسکتے ہیں اس لیے مرد کو طلاق دینے اور عورت کو طلاق لینے کا حق حاصل ہے۔ تاکہ بعد میں جہاں چاہیں نکاح کریں اور بہتر طور پر اپنی زندگی گزار سکیں۔

عورت مارچ کے نمایاں اور متنازع نعروں میں "میرا جسم، میری مرضی" خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ یہ نعرہ پاکستانی معاشرے میں شدید بحث و مباحثے کا سبب بنا۔ ایک طبقہ اسے خواتین کی جسمانی خودمختاری، تحفظ اور ذاتی فیصلوں کے حق کی علامت سمجھتا ہے، جبکہ دوسرا طبقہ اسے اسلامی تعلیمات، معاشرتی اقدار اور خاندانی نظام سے متصادم تصور کرتا ہے۔

اس نعرے میں جسم کو میرا کہا گیا ہے حالانکہ اگر جسم انسان کی ملکیت ہوتا تو خودکشی کرنا جائز ہوتا، اور انسان کے لئے اپنے جسمانی اعضا کی خرید و فروخت بھی جائز ہوتی، جسے ہر تہذیب ہی برا اور ناجائز قرار دیتی ہے۔ جسم تو اسی رب العزت کی ملکیت ہے جس نے رحم مادر سے انسان کو پیدا کرکے، گہوارے اور کمزور بچپن کے بعد جوان کیا۔ اور ان تمام مراحل میں والدین اور عزیزوں کے دلوں میں اس سے محبت ڈالی اور ان کی یہ ذمہ داری قرار دی کہ وہ امراض سے بچاؤ اور لباس کے ذریعے اس کی حفاظت کرکے اس کی تعلیم وتربیت کے فرائض انجام دیں۔ سو جسم تو انسان کا نہیں بلکہ سراسر اللہ کریم کی عطا اور امانت ہے۔[23] قرآن پاک میں اللہ رب العزت ایسے ہی لوگوں سے سوال کرتے ہیں:

"ام خلقو من غیر شیء ام هم الخالقون"[24]

"کیا یہ کسی کے پیدا کئے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں"

اسلام کے عطا کردہ حقوق نسواں:

اگر ان نعروں کی بجائے ان حقوق کے نعرے لگتے، وہ لوگ جو عورت مارچ کے خلاف ہیں وہ بھی اس کے حق میں بات کرتے نظر آتے۔ کیونکہ ابھی مارچ پر گھٹیا سلوگن بنائے جاتے ہیں۔ عجیب وغریب نعرے لگتے ہیں۔ اس پر عورتوں کے حقوق کی تو کوئی بات نہیں ہوتی۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ غلط نعروں کے خلاف کوئی ایکشن لیں تاکہ یہ مسئلہ زیادہ آگے نہ جائے۔

عورت مارچ میں بہت سے ایسے نعرے لگائے جاتے ہیں جو بالکل غلط ہیں۔ ان نعروں سے عورتوں کے حقوق واضح نہیں ہوتے۔ بلکہ ایسے نعروں کی وجہ سے خواتین کے اصل مسائل چھپ جاتے ہیں اسی لیے بہتر یہی ہے کہ جو حقوق اسلام نے عورتوں کو دیے ہیں ہمیں ان حقوق پر بات کرنی چاہیے۔ تاکہ خواتین کے جو اصل مسائل ہیں وہ حل ہو سکیں۔ اسلام جو حقوق عورتوں کو دیتا ہے وہ درج ذیل ہے:

حق تعلیم:

بہت سے لوگ عورتوں کو تعلیم دلوانے کے حق میں نہیں ہوتے۔ جبکہ یہ حق انہیں ہمارا مذہب دیتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالی نے اہل علم کی تعریف فرمائی ہے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے فرمایا:

"یرفع الله الذین آمنو منکم والذین اوتواالعلم درجت۔والله بما تعملون خبیر"[25]

"جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے اللہ ان کے درجے بلند کرے گا اور اللہ تمھارے سب کاموں سے واقف ہے"

اسی طرح دیگر آیات واحادیث میں مرد وعورت کو تعلیم کے معاملے میں برابر حکم دیا گیا ہے کہ وہ علم حاصل کریں۔ بلکہ اسلامی تاریخ کی ورق گردانی کریں تو ہمیں کتنی ہی تعلیم یافتہ عورتوں کا تذکرہ ملتا ہے جو مردوں سے بھی آگے تھیں۔ البتہ اسلام جب عورت کی تعلیم کی بات کرتا ہے تو اس کے لیے ایک ضابطہ اور طریقہ کار کا بھی تعین کرتا ہے تاکہ تعلیم کی وجہ سے باقی تقاضوں میں غفلت نہ ہو جائے۔ اگر عورت کی تعلیم کی وجہ سے اس کے اخلاق بگڑنے کا اندیشہ ہو یا اختلاط کا ڈر ہو کہ ایسی جگہوں پر جانے کی ضرورت پڑے جہاں پر اس کی عزت خطرے میں ہو تو اسلام عورت کو ایسی تعلیم سے دور رہنے کا حکم دے گا کیونکہ کردار اور عورت کا وقار ایک لازمی تقاضا ہے جس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر تعلیم کی وجہ سے عورت اپنی خانگی ذمہ داریاں صحیح طریقے سے ادا کرنے سے قاصر ہو تو تعلیم کی بجائے اس کے لیے گھر اہم ہو گا۔ البتہ اگر دونوں ملکر تعلیم حاصل کر رہے ہوں اور خانگی معاملات بھی صحیح طریقے سے چل رہے ہوں تو اسلام پابندی نہیں لگاتا۔ مفید علم کا حصول جس کی عورت کو ضرورت ہے یا معاشرے کو اس کی ضرورت ہے تو اس کا حصول عورت کے لیے جائز ہے۔ البتہ لازم اور واجب نہیں ہے۔

ہم یہ بہتر سمجھتے ہیں عورت کی تعلیم کے معاملے میں بھی ایسے شعبہ جات اور تخصصات کا انتخاب کیا جانا چاہیے جو عورتوں کے لیے زیادہ مفید ہیں اور معاشرے کو بھی ان علوم وفنون میں خواتین کی ضرورت ہے۔ عورت کو ایسے علوم وفنون کی تعلیم میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے جس سے نہ خود اسے فائدہ ہو اور نہ ہی کسی اور کو فائدہ ہو۔ عالم اسلام میں تعلیم کے شعبہ کے ذمہ داران کو چاہیے کہ خواتین کے لیے مخصوص شعبوں کا تعین کریں۔ کیونکہ اسلام عورت کو ملازمت کے لیے یا روزی کمانے کے لیے اپنے مقام ومرتبہ سے نیچے آنے کی کسی بھی صورت میں حمایت نہیں کرتا کیونکہ اسلام میں عورت کی عزت اور شان کی حفاظت پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔[26]

ایک کالم نگار جہاں آراوٹو یہ مفہوم حدیث بیان کر کے کہ "علم تمام مسلمانوں پر فرض ہے" کہتی ہیں کہ "اس سے یہ واضح ہو گیا کہ مرد عورت دونوں پر تعلیم حاصل کرنالازمی قرار دیا گیاہے"[27]

حق وراثت:

بہت سی عورتوں کو ان کے حق وراثت سے محروم رکھا جاتا ہے۔اسلام نے انسانوں کو جو عادلانہ نظام زندگی عطافرمایاہے اس کی خصوصیت میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں معاشرہ کے تمام افراد کی ضروریات اور ان کی حیثیت کا خیال رکھا گیاہے۔اسلام معاشرے کے ہر ایک فرد کے ساتھ مکمل طور پر عدل وانصاف کرنے کا قائل بھی ہے اور اس کا محرک ومؤید بھی۔اس ضمن میں اسلام کے قانون وراثت کو بطور مثال پیش نظر رکھا جاسکتا ہے۔اسلام سے قبل عورتوں کے لیے وراثت میں حصہ پانے کا تصور بھی موجود نہ تھا۔بلکہ عورتوں کو حصہ دینے کے بجائے لوگ خود ان کو مال وراثت سمجھ کر ان پر قابض ہو جایا کرتے تھے۔ارشاد باری تعالی ہے

”یاایھا الذین آمنوا لایحل لکم ان ترثو النساء کرھا“[28]

”اے اہل ایمان تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ“

”للرجال نصیب مما ترک الوالدین الاقربون۔وللنساء نصیب مما ترک الوالدن والاقربون مما قل منه او کثر۔نصیبا معروفا“[29]

”مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہے اور عورتوں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو خواہ تھوڑا ہو یا بہت اور یہ حصہ اللہ کی طرف سے مقرر ہے“

اس آیت میں واضح طور پر پانچ قانونی حکم دیے گئے ہیں:

* میراث صرف مردوں کا حصہ نہیں بلکہ عورتیں بھی اس کی حقدار ہیں۔
* میراث تقسیم ہونی چاہیے خواہ وہ کتنی ہی کم کیوں نہ ہو۔
* اس آیت سے یہ بات بھی پتہ چلتی ہے کہ وراثت کا قانون ہر قسم کے اموال اور املاک پر جاری ہو گا۔
* اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ میراث کا حق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مورث کوئی مال چھوڑ مرا ہو۔
* اس سے یہ بھی قاعدہ نکلتا ہے کہ قریب ترین رشتہ دار کی موجودگی میں بعید تر رشتہ دار میراث نہیں پائیں گے۔

عورت کو مختلف ذرائع سے جو مال پہنچتا ہے اس میں ملکیت اور قبضہ وتصرف کے تمام اختیارات اور حقوق اسے دیے گئے ہیں جن میں مداخلت کرنے کا اختیار نہ اس کے باپ کو حاصل ہے نہ شوہر کو اور نہ ہی کسی اور کو مداخلت کرنے کا اختیار ہو سکتا ہے۔[30]

موجودہ عہد میں بھی عورتوں کے ساتھ ناانصافیاں جاری ہیں عورتوں کو ان کے وراثت کے حق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔کہیں بیٹی کی حیثیت سے وراثت کے حق سے محروم کر دیا جاتا ہے کہیں بہن اور کہیں بیوی کو ان کے حق وراثت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور بعض لوگ تو عورت کو حق وراثت ملنے کے خوف سے شادی کرنے سے بھی محروم کر دیتے ہیں، ظلم کی انتہا ہے۔جبکہ اللہ تعالی نے حکم دیاہے کہ ہر ایک حقدار کو اس کا حق دے دیا کرو ارشاد خداوندی ہے:

”واتوا حقه“[31]

”اور دے دو ان کو انکا حق“

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

جب ہم تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے آنے سے قبل تک عورت وراثت سے مکمل طور پر محروم تھی اسے مرنے والے کے مال میں کچھ بھی وراثت میں نہیں ملتا تھا چاہے اس کا مرنے والے سے کتنا بھی قریبی رشتہ ہو۔ اسلام نے عورت کو وراثت میں حصہ دار بنایا۔[32]

حق نکاح:

اس عالم آب و گل کی تقریبا ہر شے کے اندر اپنے نوع کی بقا کا فطری جذبہ پایا جاتا ہے اور قدرت نے اس جذبہ کی آسودگی کے لیے خود اسی کی نوع میں ایک صنف مقابل کی تخلیق کی ہے، صنف مقابل اس کے جذبات و احساسات کو سوز و حرکت عطا کرتی ہے اور اسے مجبور کرتی ہے کہ بقائے نوع کا سامان کرے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

"جعل لكم من انفسكم ازواجا ومن الانعام ازواجا يذرءكم فيه"[33]

"اس نے تم ہی میں سے تمہارے لیے جوڑے بنائے اور مویشیوں کے جوڑے بنائے اس طرح وہ تمہیں پھیلاتا ہے"

"ومن كل شيء خلقنا زوجين لعلكم تذكرون"[34]

"اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے پیدا کیے تا کہ تم سمجھ سکو"

ان آیات کریمہ نے صراحت کر دی کہ قانون زوجیت اپنی وسعت میں کائنات کی ہر شے پر حاوی ہے۔ اس سے نہ انسان مستثنیٰ ہے نہ دنیا کی کوئی دوسری چیز۔ اس چیز کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ دنیا کی ہر شے اپنے بعض ذاتی استعداد اور نوعی خصوصیات اظہار کے لیے ایک میدان کی محتاج ہے اور صنف مقابل بھی میدان فراہم کرتی ہے۔ یہ ایک طرح کی نسبت ہے جو زوجین کے درمیان پائی جاتی ہے اور دونوں مساوی طور پر ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ اس میں کسی کی ذلت و حقارت اور عزت و سربلندی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

"هن لباس لكم وانتم لباس لهن"[35]

"وہ عورتیں تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو"

گویا اردو محاورہ کے مطابق دونوں میں لباس چولی دامن کا ساتھ ہے وہ ان کے حق میں اوڑھنا بچھونا ہیں اور میدان کے حق میں میاں بیوی میں وہی قرب و اتصال اور وہی نسبت ہے جو لباس اور جسم میں ہوتی ہے۔[36]

نکاح کے معاملے میں عورت کی آزادی اور رضامندی:

نکاح انسانی زندگی میں انتہائی اہم موڑ اور ایک نئی زندگی کے آغاز کی حیثیت رکھتا ہے۔ دوسرا شریعت اسلامیہ میں نکاح ایک مستقل اور تادم زیست کا معاہدہ ہے جسے ناگزیر حالات ہی میں توڑا جاسکتا ہے لہذا شریعت ایک عاقل بالغ مرد اور عورت کو اس بات کا پورا پورا حق دیتی ہیں۔ اور موقع فراہم کرتی ہے کہ وہ اس جاودانی معاہدے سے قبل اچھی طرح غور و فکر کر لے سوچ سمجھ لے دیکھ بھال لے اور جانچ پرکھ لے کیونکہ اسے اپنے ساتھی کے ساتھ پوری زندگی گزارنی ہے۔ لہذا زندگی بھر کا ساتھی ایسا ہونا چاہیے جو اس کے لیے باعث سکون اور باعث رحمت ہو تاکہ کہیں اس کی زندگی خوشیوں کا گہوارہ بننے کے بجائے تلخیوں کا موجب نہ بن جائے۔

مرد تو اس انتخاب میں ہمیشہ سے مکمل اختیارات کا مالک چلا آرہا ہے۔ مگر عورت کی وہ پوزیشن بھی اسلام میں انتخاب زوج کے سلسلے میں عورت کو بھی پورا پورا اختیار دیا ہے۔ وہ اپنی مرضی اور رضامندی سے جس آدمی سے بھی شرعی حدود و قیود کے موجودگی میں نکاح کرنا چاہے کر سکتی ہے۔

عزیز و اقارب حتی کے والد کو بھی اس بات کا حق حاصل نہیں کہ وہ اس پر اپنی مرضی کو ٹھونسے جب تک عورت کی صریح اجازت نہ ہو اس وقت تک نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا

"لا تنكح الايم حتى تستامرو لاتنكح البكر حتى تستاذن"

شادی شدہ عورت کا نکاح (بیوگی یا طلاق کے بعد) اس وقت تک نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس سے مشورہ نہ لے لیا جائے اور دوشیزہ کا نکاح بھی اس کی اجازت لیے بغیر نہیں کیا جائے گا" امام بخاری نے اس حدیث کا باب ہی "لا ينكح الاب وغيره البكر والثيب الابرضاها" کے عنوان سے باندھا ہے جس کا معنی ہے باپ یا کوئی اور ولی دوشیزہ اور بیوہ عورت کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر نہیں کرا سکتا۔

سنن نسائی کی حدیث میں ہے:

"الايم احق بنفسها من وليها والبكر تستاذن في نفسها واذنها صماتها"[37]

"شادی شدہ عورت (بیوگی یا طلاق کے بعد اپنے نفس کی اپنے ولی سے زیادہ حقدار ہے اور دوشیزہ سے اس کے نفس (نکاح) کے معاملے میں اجازت طلب کی جائے گی اور اس کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت ہے"

لڑکی کی خاموشی کو اس لیے اجازت سمجھا گیا اس میں حیا زیادہ ہوتی ہے اور عموما زبان سے نہیں بولتی۔ پھر خصوصا والد کے سامنے بولنا تو اور مشکل ہو جاتا ہے۔ جن روایات میں ولی کی اجازت یا موجودگی مذکور ہے وہ نابالغہ کے نکاح پر محمول ہیں استحبابا و اقتضاء جس بالغہ عورت کو اپنی ذات اپنے مال اور دیگر امور میں تصرف کا حق حاصل ہے اسے نکاح کے معاملے میں حق کیوں نہیں حاصل ہو گا[38]۔

حق خلع:

مرد سے خلع لینا عورت کا حق ہے جس طرح مرد کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق حاصل ہے اسی طرح عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ جب کسی وجہ سے وہ مرد سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتی ہے اور مرد اسے طلاق دینے پر راضی نہیں ہے تو وہ خلع حاصل کرے گی۔

خلع کے معنی اتارنے کے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عورت اپنے گلے سے نکاح کا بندھن اتار دے اللہ تعالی نے مرد کی برابری کا حق عورت کو عطا فرمایا ہے۔ خلع لینا عورت کا حق ہے اسلام نے مرد کو طلاق کا حق اور عورت کو خلع کا حق دیا ہے۔[39]

ارشاد باری تعالی ہے

"فان خفتم الا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به"[40]

"پس اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ نکاح کو باقی رکھتے ہوئے زوجین اللہ کے حدود پر قائم نہیں رہیں گے تو ان دونوں کے درمیان یہ معاملہ طے ہو جانے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے"

اگر عورت کچھ دے دلا کر اپنے شوہر سے آزادی حاصل کر لے تو شریعت کی اصطلاح میں اسے خلع کہتے ہیں۔

اسلام نے جس طرح مرد کو یہ اختیار دیا ہے کہ اگر کسی عورت سے واقعی نباہ کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو وہ اسے طلاق دے دے اسی طرح عورت کو بھی یہ اختیار دیا ہے کہ اگر وہ فی الواقع شوہر سے مایوس ہو چکی ہو اور نباہ کا اب کوئی امکان نہ ہو تو وہ کچھ معاوضہ دے کر طلاق لے سکتی ہے۔ اس صورت میں جو طلاق ہو گی وہ رجعی نہیں بلکہ بائن ہے کیونکہ عورت نے معاوضہ دے کر اس طلاق کو خریدا ہے۔ اس لیے اب شوہر کو دوران عدت اس طلاق سے رجوع کرنے کا حق باقی نہیں رہتا۔ البتہ یہی مرد اور عورت پھر ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں اور دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو ایسا کرنا ان کے لیے بالکل جائز ہو گا۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

خلع کے معاملے میں اگر عورت اور مرد کے درمیان گھر ہی گھر میں کوئی بات طے ہو جائے تو جو کچھ طے ہو جائے وہی نافذ ہو گا لیکن اگر معاملہ عدالت تک پہنچ جائے تو عدالت صرف اس بات کی تحقیق کرے گی کہ آیا فی الواقع یہ عورت اپنے مرد سے اتنی متنفر ہو چکی ہے کہ اب اس سے نباہ ممکن نہیں ہے۔اس بارے میں اطمینان ہو جانے کے بعد حالات کے لحاظ سے جو فدیہ تجویز کرے گی اس فدیہ کو قبول کر کے شوہر کو طلاق دینا ہو گی۔[41]

حق مہر:

ارشاد خداوندی ہے

"واتواالنساء صدقتهن نحلة فان طبن لكم عن شيء منه نفسا فكلوه هنيئا مريئا"[42]

"عورتوں کے مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرو البتہ اگر وہ خود اپنی خوشی سے مہر کا کوئی حصہ تمھیں معاف کر دیں تو اسے تم مزے اے کھاسکتے ہو"

مہر اس رقم یا مال کو کہتے ہیں جو حق زوجیت پر معاوضہ کے طور پر دیا جاتا ہے۔یہ کوئی متعین رقم نہیں ہے بلکہ مرد کی استطاعت کے لحاظ سے جو نکاح کے وقت طے ہو جائے وہی ادا کرنی پڑتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اور قاضی شریح کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر عورت نے اپنے شوہر کو پورا مہر یا اس کا کوئی حصہ معاف کر دیا ہو اور بعد میں وہ پھر اس کا مطالبہ کرنے لگے تو شوہر اس کے ادا کرنے پر مجبور ہو جائے گا کیونکہ اس کا مطالبہ کرنا ہی معنی رکھتا ہے کہ وہ اپنی خوشی سے مہر یا اس کا کوئی حق نہیں چھوڑنا چاہتی۔عورت کی معاشی حیثیت اور مستحکم ہو جاتی ہے۔[43]جب قرآن کا یہ حکم سامنے آتا ہے:

"واتيتم احداهن قنطارا فلا تاخذوا منه شيئا"[44]

"اگر تم نے عورتوں کو بہت سا مال بھی دیا تو اس میں سے کچھ بھی تم واپس نہ لو"

جن شادی شدہ لوگوں کے مہر استطاعت سے زیادہ لکھے ہوئے ہیں ان میں اصلاح کی یہی صورت ہے کہ وہ خوش اسلوبی اور نیک نیتی سے اپنی بیویوں کو مہر کم کر دینے پر رضامند کریں اور بیویوں کو چاہیے کہ وہ دین دنیا دونوں کی مصلحت کو پیش نظر رکھ کر اپنے مہر کم کر دینے پر راضی ہو جائیں اور اس قدر کم کر دیں کہ ان کے شوہر آسانی کے ساتھ ادا کر سکیں۔اس طرح دونوں آرام اور سکون سے زندگی بسر کریں گے اور مرد بہر حال اس احسان پر اپنی بیویوں کے ساتھ پہلے سے بھی زیادہ خوش رہیں گے۔یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ مہر ایک طرح کا قرض ہے اور قرض کو اللہ تعالی آخرت میں ہر گز نہیں بخشے گا۔[45]مہر کی معافی صرف عورت کے اختیار میں ہے۔مہر چونکہ عورت کا حق ہے اس لیے اسی وقت معاف ہو سکتا ہے جب عورت خود معاف کرے۔

حق نفقہ:

بہت سی خواتین کو ان کے حق نفقہ سے محروم رکھا جاتا ہے

ارشاد باری تعالی ہے:

"على الموسع قدره وعلى المقتر قدره"[46]

"خوشحال آدمی اپنی استطاعت کے مطابق اور غریب آدمی اپنی استطاعت کے مطابق معروف طریقے سے نفقہ دے"

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

عورت کو مختلف طریقے سے جو کچھ مال پہنچتا ہے اس میں ملکیت قبضہ اور تصرف کے تمام اختیارات اور حقوق اسے دیے گئے ہیں جن میں مداخلت کرنے کا اختیار نہ اس کے باپ کو حاصل ہے نہ شوہر کو اور نہ ہی کسی کو مداخلت کرنے کا اختیار ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر دینی تجارت میں اپنا پیسہ لگا کر یا خود محنت کر کے کمائے تو اس کی مالک بھی مکمل طور پر وہی ہے۔ ان سب کے باوجود اس کا نفقہ ہر حال میں اس کے شوہر پر واجب ہے۔ نفقہ کے فقہی احکام یہ ہیں کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کا نفقہ دے تو اس کی دو ہی وجہیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ وہ استطاعت نہیں رکھتا۔ دوسری یہ کہ استطاعت کے باوجود نہیں دیتا۔ استطاعت نہ رکھنے کی صورت میں مختلف فقہی نظریات ہیں لیکن امام مالک کا استدلال زیادہ درست نظر آتا ہے کہ مہینہ دو مہینہ یا مناسب مدت تک مرد کو مہلت دی جائے اگر اس مدت میں بھی وہ بیوی کے نفقہ کا بندوبست نہ کر سکے تو پھر تفریق طلاق کرا دی جائے۔ استطاعت رکھنے کے باوجود اگر مرد بیوی کو نفقہ نہ دے تو ظلم ہو گا اور قاضی کا فرض ہے کہ شوہر سے زبردستی نفقہ حاصل کر کے دلوائے پھر اگر شوہر حاکم کے حکم کی تعمیل نہ کرے تو ایسی صورت میں حنفیہ کہتے ہیں کہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ عورت خود اپنے نفقہ کا انتظام کرے شوہر کے نام پر قرض لے کر یا محنت کر کے۔ لیکن امام مالک کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں قاضی کو حق حاصل ہے کہ طلاق واقع کر دے کیونکہ قرآن کی رو سے نفقہ عورت کا حق ہے اور جب کوئی مرد استطاعت کے باوجود نفقہ ادا نہ کرے تو عورت کا ایسے مرد سے زبردستی بندھے رہنا درست نہیں۔[47]

حاصل کلام:

مجموعی طور پر تحقیق سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ عورت مارچ پاکستان میں خواتین کے حقوق، تحفظ اور سماجی انصاف کے حوالے سے ایک اہم مگر متنازع سماجی تحریک کے طور پر سامنے آیا ہے۔ اس کے بعض مطالبات اسلامی تعلیمات، انسانی وقار اور بنیادی حقوق کے اصولوں سے ہم آہنگ ہیں، جبکہ بعض نعروں اور بیانیوں نے مذہبی، تہذیبی اور خاندانی اقدار کے حوالے سے سوالات بھی پیدا کیے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ خواتین کے حقوق کے مسئلے کو جذباتی یا انتہاپسندانہ انداز کے بجائے ایک متوازن، علمی اور اصلاحی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے، تاکہ اسلامی اصولوں، معاشرتی ضرورتوں اور خواتین کے جائز حقوق کے درمیان ہم آہنگی پیدا کی جا سکے۔

سفارشات:

خواتین کے حقوق کے متعلق پالیسی سازی میں اسلامی تعلیمات اور عصری تقاضوں دونوں کو پیشِ نظر رکھا جائے۔

صنفی مساوات کے تصور کو معاشرے میں درست اور متوازن انداز میں متعارف کروایا جائے۔

عورتوں کے تحفظ، تعلیم اور معاشی خود مختاری کے لیے عملی اقدامات کو مزید مؤثر بنایا جائے۔

عورت مارچ جیسے پلیٹ فارمز پر مہذب، تعمیری اور مثبت بیانیے کو فروغ دیا جائے۔

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں خواتین کے حقوق کے متعلق آگاہی پروگرامز منعقد کیے جائیں۔

معاشرے میں مرد و عورت کے درمیان باہمی احترام، تعاون اور عدل کے تصور کو مضبوط کیا جائے۔

حوالہ جات

[1] ابن منظور، لسان العرب، بیروت، 1995ء، ج4، ص:212

[2]راغب اصفہانی، مفردات القرآن، عرفان افضل پریس،لاہور،ج2،ص:177

[3]لوئیس معلوف، المنجد، دارالاشاعت، کراچی،1994ء،ط:الاولی،ص:54

[4]اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ، پنجاب،ج14،ص:217

[5]اردو جامع انسائیکلوپیڈیا،ج:12،ص:102

[6]فیروز الدین، فیروز للغات، ص:1183

[7]میر حمزہ قادری، اقرا فاطمہ، ڈاکٹر اللہ دتا، پاکستان میں عورت مارچ کا ارتقاء، مذہبی جماعتوں کے کردار کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تحقیقی جائزہ، جہان تحقیق، جلد 7، شمارہ 2،2024ء، ص:3

[8] Qurat-ul-Ain Rana, Muhammad Ahmad Tarar and Rabia Shafiq Sultan, Gender inequality in Pakistan: An Assessment, Pakistan social Sciences Review 6, no 2 (2022), 221-231

[9] Janet Henshall Momsen, Gender and Development,3rd ed,New york, Routledge,2019, p:7

[10]ثریا بتول علوی، جدید تحریک نسواں اور اسلام، قاسم گرافکس منصورہ لاہور، ط: پنجم، جولائی 2021ء، ص:37-38

[11]شمسہ محسن، عورت قرآن کی نظر میں، البدر پبلیکیشنز، اردو بازار لاہور، ص:6

[12]یم ایس ناز، اسلام میں عورت کی قیادت، مکتبہ عالیہ اردو بازار لاہور،1989ء،ص:69

[13]النساء،1:4

[14]بنی اسرائیل،70:17

[15]الحجرات،13:49

[16]آل عمران،195:3

[17]سریا بتول علوی، جدید تحریک نسواں اور اسلام، ص:75

[18] https://hamariweb.com/articles/150941, retived on 27/06/2026

[19]ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ 2، جلد:91، محرم 1428ھ بمطابق 2007

[20]الاعراف،189:7

[21]بنی اسرائیل،32:17

[22]ابن ماجہ، محمد بن یزید، ابی عبداللہ، السنن، صحیح ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب: حدثنا سوید بن سعید، ح:2018

[23]حسن مدنی، میرا جسم میری مرضی، ایک تحلیلی جائزہ، مئی 2020

[24]الطور،35:52

[25]المجادلہ،11:58

[26]الجلالی، عبداللہ بن حمد، حقوق نسواں کے بارے میں اشکالات اور قرآن وسنت کی روشنی میں ان کا جائزہ، جامعہ علوم اثریہ جہلم پاکستان، ص:69

[27]جہاں آرا وٹو، اندھیروں سے روشنی تلاش کر، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، 8مارچ 2020

[28]النساء،19:4

[29]النساء،7:4

[30]شمیمہ محسن، عورت قرآن کی نظر میں، ص:83

[31]الانعام،141:6

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

[32]سید ضیاء الدین، عورت قبل از اسلام وبعد از اسلام، ص:154

[33]الروم، 21:30

[34]الذاریات، 49:51

[35]البقرہ، 187:2

[36]موسیٰ خان، اسلام میں حیثیت نسواں، دعا پبلی کیشنز، لاہور، 2004ء، ص:92

[37]النسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب، سنن النسائی، کتاب النکاح، باب عرض المراۃ نفسھا علی من ترض، ح:3263

[38]موسیٰ خان، اسلام میں حیثیت نسواں اور اسلام، ص:338

[39]ثریا بتول علوی، جدید تحریک نسواں اور اسلام، ص:339-340

[40]البقرہ، 229:2

[41]شمیمہ محسن، عورت قرآن کی نظر میں، ص:92

[42]النساء، 4:4

[43]شمیمہ محسن، عورت قرآن کی نظر میں، ص:87

[44]النساء، 20:4

[45]شمیمہ محسن، عورت قرآن کی نظر میں، ص:89

[46]البقرہ، 236:2

[47]شمیمہ محسن، عورت قرآن کی نظر میں، ص:86